سیر وسوانح

مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ
(اتحادِ امت کے داعی)

سید جلال الدین عمری

(حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی حیات وخدمات پر ایک بین الاقوامی سمینار ۲۹/ ۳۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲/ ۱۳/ اگست ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ ودوشنبہ منعقد ہوا۔ اس میں اس خاک سار نے بھی شرکت کی اور پہلے ہی دن اپنا مختصر مضمون پیش کیا۔ اب حذف واضافہ اور بعض تفصیلات کے ساتھ یہی مضمون یہاں اشاعت کے لیے دیا جارہا ہے۔)

یہ خاک سار محترم جناب مولانا ابوسفیان قاسمی کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس عظیم اور برموقع اس سمینار میں شرکت کی دعوت دی، جس میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے افکار، ان کی علمی کاوشیں، ملی اور ملکی خدمات پر تفصیل سے اظہار خیال ہوگا۔ اس میں حاضری میرے لیے باعث سعادت ہے۔

مولانا محمد سالم قاسمی مرحوم ملت کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ ان کی رحلت سے ملت کو جو خسارہ اٹھانا پڑا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلافی فرمائے۔

اس مجلس میں بڑی تعداد مولانا کے تلامذہ اور ان اصحاب کی ہے، جنہوں نے مولانا مرحوم سے براہ راست یا بالواسطہ اکتسابِ فیض کیا ہے۔ پورے ملک میں اور ملک سے باہر بھی مولانا کے تلامذہ اور منتسبین کا وسیع حلقہ ہے۔ انہیں مولانا کی شخصیت اور خدمات پر اظہار خیال کا مجھ سے زیادہ استحقاق ہے۔ امید ہے وہ اس مجلس میں یا اس کے بعد اپنا فرض ادا کریں گے۔

اب ہمارے تعلقات کی داستان سنیے:

مولانا کے برادرخورد ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی علی گڑھ کے شعبہ اسلامیات سے وابستہ تھے۔ میرا ان سے ربط ہوا اور رفتہ رفتہ بے تکلفی پیدا ہوگئی۔ بار بار ملاقاتیں رہتی تھیں۔ میں نے ان سے 'سہ ماہی تحقیقات اسلامی'، جو ایک علمی اور تحقیقی مجلہ ہے، کے لیے مضمون کی درخواست کی۔ جسے انہوں نے منظور کرلیا۔ ان کے دو مضامین اس مجلہ میں شائع ہوئے۔ اس وقت تقریباً ۳۵ برس پرانی یادیں صفحہ ذہن پر ابھر رہی ہیں۔ ان ملاقاتوں سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور خاندان نانوتہ سے براہ راست اسی کے ایک فرد کے ذریعہ سے تعارف حاصل ہوا، جو کتابی تعارف سے زیادہ قیمتی تھا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ سے ربط وتعلق کی مدت بیس برس سے زیادہ ہی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

مولانا کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ یہ کشش سیرت و کردار کی تھی۔ مولانا میں انتہائی خاک ساری اور نرم مزاجی تھی۔ ٹھنڈی طبیعت پائی تھی۔ مشتعل ہونا جیسے جانتے ہی نہ ہوں۔ خطابت میں اپنے والد محترم حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کا رنگ نمایاں تھا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی بعض تقاریر میں نے سنی ہیں۔ وہ اتنی ٹھنڈی، مربوط اور منطقی ہوتی تھیں کہ مجمع ہمہ تن گوش ہوجاتا۔ بات میں بات نکالنے کا فن جانتے تھے۔ بغیر زورِ خطابت کے حاضرین کو مسحور کرلیتے۔ اپنے طرز خطاب، نکتہ در نکتہ اندازِ بیان اور پُراثر لب ولہجہ سے مجلس پر چھاجاتے۔ خطیب بہت ہوتے ہیں، لیکن ٹھنڈے خطاب کا یہ جوہر کم ہی لوگوں کو ملتا ہے۔

میری طالب علمی کا دور تھا۔ مولانا کا خطاب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو احسانات کیے ہیں، سورۂ نحل کے آغاز میں ان کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک احسان اَنعام یا چوپایوں کی شکل میں ہے کہ وہ بار برداری کا کام کرتے ہیں۔ ورنہ انسان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا آسان نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا: **وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ**۔ النحل: ۸۔ اس کی مولانا نے تشریح کی اور بتایا کہ اب جدید سواریاں سامنے آگئی ہیں۔ سائیکل، موٹر سائیکل، کار، ٹرین اور ہوائی جہاز نے سفر کو آسان کردیا ہے۔

وَ یَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری حد نہیں ہے اور بھی جدید ذرائع آمد ورفت اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا۔ مولانا کا انداز اتنا خوب صورت اور دل نشیں تھا کہ اب تک اس کے اثرات دل و دماغ پر مرتسم ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تصنیفات میں بھی یہ نکتہ سنجی نمایاں ہے۔

مولانا سالم قاسمی کو اپنے والد ماجد کا لب ولہجہ اور طرز کلام وراثت میں ملا تھا۔ ان کی تقریر بہت ہی عالمانہ ہوتی، لیکن انداز بیان بڑا دھیما اور نرم ہوتا، جیسے وہ جذبات سے نہیں، عقل سے اپیل کرتے ہوں۔

مولانا محمد سالم قاسمی مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔ اس مناسبت سے مولانا سے قربت رہی۔ مولانا خاموشی سے بحث اور گفتگو سنتے اور ضرورت پر اظہار خیال فرماتے۔ غیر ضروری گفتگو اور بے جا مداخلت سے احتراز فرماتے۔ مولانا کی سنجیدگی ان کی گفتگو کی طرف مجلس کو متوجہ کرتی اور وہ توجہ سے سنی جاتی۔ اس سے مولانا کے وقار میں اضافہ ہوتا۔

اس عاجز کو نجی مجلسوں میں مولانا سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کے مواقع حاصل رہے ہیں۔ ان میں مولانا مودودی، جماعت اسلامی ہند، ملک کی موجودہ صورت حال، جماعت اسلامی ہند کی پالیسی اور پروگرام جیسے موضوعات بھی زیر بحث آتے۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا سے گفتگو بڑے ٹھنڈے اور خوش گوار ماحول میں ہوتی۔ کبھی ناگواری کا احساس تک نہیں ہوا۔ یہ مولانا کی عظمت کی دلیل ہے۔

ایک موقع پر میں نے عرض کیا کہ مولانا میں تو اندر کا آدمی ہوں۔ یہ اطمینان دلاتا چاہتا ہوں کہ جماعت پر آپ کی تنقید کو بھی خوش دلی سے برداشت کروں گا اور کوئی غلط فہمی ہو تو اسے رفع کرنے کی کوشش کروں گا۔ البتہ درخواست ہے کہ ماضی کی جگہ موجودہ حالات کے پس منظر میں مسائل پر غور کیا جائے۔ مولانا نے اس سے اتفاق فرمایا اور کہا کہ اس کے باوجود شروع ہی سے بعض مسائل بحث طلب رہے ہیں۔ ضرورت ہے

کہ جماعت کے ذمہ داراور دیوبند کے اصحاب الرائے ایک ساتھ بیٹھیں اوران مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ سے حل کریں۔اس کی نوبت تونہیں آئی،لیکن خوشی ہے کہ اب ہم ایک دوسرے سے قریب ہیں اور بہتر طریقہ سے ایک دوسرے کو سمجھ رہے ہیں۔

جماعت سے مولانا کے تعلق پر ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ چند سال قبل جامعۃ الفلاح بلریا گنج—جس کے ذمہ داروں نے مجھ جیسے کم زور شخص کو شیخ الجامعہ کا اعزاز دے رکھا ہے— کی دعوت پر مولانا نے دیوبند سے بلریا گنج کا پرمشقت سفر کیا۔شاہ گنج تک بذریعہ ٹرین آمد ہوئی اور وہاں سے بذریعہ کار بلریا گنج پہنچے۔شب میں پروگرام تھا، اس میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ بزرگی اور پیرانہ سالی کے باوجود مولانا نے سفر کی جوزحمت برداشت کی، اس پر ہم سب مولانا کے مشکور وممنون تھے۔

ایک اور واقعہ صفحۂ ذہن پر ابھر رہا ہے۔ جماعت کے ایک صاحب علم رفیق جناب ایس امین الحسن صاحب(جو اب نائب امیر جماعت ہیں)اپنے وطن وانمباڑی (تمل ناڈو) میں قرآن مجید کا ایک ترتیب سے درس دیتے تھے۔ یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا کہ انہیں بھی اور سامعین کو بھی خیال آیا کہ 'ختم قرآن' کا بڑے پیمانے پر پروگرام ہونا چاہیے۔اس میں کسی نامور صاحب علم سے استفادہ کیا جائے۔اس کے ساتھ خطاب عام بھی ہو،تاکہ بستی کے سب ہی لوگ فائدہ اٹھاسکیں اور موجودہ حالات میں قرآن کی راہ نمائی ان کے سامنے آئے۔اس کے لیے حضرت مولانا سالم قاسمی کا نام تجویز ہوا۔مولانا سے درخواست کی گئی۔ انہوں نے ازراہ محبت اسے منظوری دے دی اور اس طویل سفر کے لیے آمادہ ہوگئے۔ یہاں تیاری جاری تھی اور دوسری طرف بعض 'خیرخواہ' اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔اس پروگرام کو ناکام کرنے کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنے لگے۔انہوں نے مولانا مرحوم کو بھی اس سفر سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انہیں بتایا کہ یہاں وہ لوگ بڑی تعداد میں ہیں، جو جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں اور اسے ایک دینی جماعت نہیں سمجھتے۔اس کے پروگرام میں آپ کی شرکت سے جماعت کو ایک دینی جماعت ہونے کی سند حاصل ہوجائے گی اور مخالفین کے لیے کچھ کہنا

آسان نہ ہوگا۔ان حضرات کا مقصد مولانا ب آسانی سمجھ گئے۔وہ وحدت امت کے قائل تھے۔انہوں نے مخالفین کے اصرار کے باوجود سفر کو ملتوی کرنے سے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ جماعت کے احباب سے میں نے اس پروگرام میں شرکت کا وعدہ کرلیا ہے۔اس کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔مولانا کی شرکت ہوئی اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

مولانا محمد سالم قاسمی کا تعلق تصوف سے بھی تھا۔انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی راہ نمائی میں اس کے مراحل طے کیے اور ان کی طرف سے انہیں بیعت کی اجازت بھی حاصل تھی۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی انہیں نسبت رہی ہے۔یہ میدان اس خاک سار کا نہیں ہے۔غالباً اس وجہ سے ہمارے درمیان کبھی تصوف زیر بحث نہیں آیا۔

باتیں بڑی بے ترتیب ہیں۔سوائے اس کے کیا عرض کرسکتا ہوں۔لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔سمع خراشی کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔

توحید اور قیام عدل

مولانا محمد جرجیس کریمی

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہوجاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

صفحات:۹۲ قیمت: ۵۰/روپے